نفقۂ مُطلَّقہ

ایک علمی جائزہ

مولانا سیّد جلال الدین عمری

فہرست مضامین

پیش لفظ

۱۹۸۵ء کی بات ہے کہ شاہ بانو کیس میں ملک کی عدالت عالیہ نے مسلم مطلقہ کے لیے اس کے سابق شوہر پر تاحیات یا تا نکاح ثانی نفقہ کو لازم قرار دیا۔ یہ فیصلہ شریعت کے سراسر خلاف تھا، اس لیے مسلم پرسنل لا بورڈ نے، جو مسلمانانِ ہند کا نمائندہ ادارہ ہے، اس کی مخالفت کی اور اسے اسلامی شریعت میں مداخلت قرار دیا۔ ملک کے تمام مسلمانوں نے اس کا ساتھ دیا اور ہر گوشہ سے وہ اس فیصلہ کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ اس کے نتیجہ میں حکومت ہند نے ۶؍ مئی ۱۹۸۶ء کو پارلیمنٹ کے ذریعہ قانون حقوق مسلم مطلقہ پاس کر کے سپریم کورٹ کے فیصلہ کو رد کر دیا اور اسلامی قانون نفقہ کو منظوری دی۔ لیکن اس قانون میں بعض خامیاں ہیں جن سے فائدہ اٹھا کر اب تک ملکی عدالتیں مطلقہ کا اگر کوئی ذریعہ معاش نہ ہو تو تاحیات یا تا عقد ثانی سابق شوہر پر اس کے نفقہ کو لازم قرار دے رہی ہیں۔ شاہ بانو مقدمہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں طلاق کے بعد عورت کی معاش کا مسئلہ زیر بحث آ گیا اور سابقہ شوہر پر اسے لازم قرار دینے کے لیے قرآن سے بھی استدلال کیا جانے لگا۔ اس وقت اس عاجز نے اپنے ایک مضمون میں اسلام کے موقف کو واضح کرنے اور اس سلسلے میں جو فقہی اور قانونی سوالات پیدا ہوتے ہیں ان کا جواب دینے کی کوشش کی۔ یہ مضمون سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ کے شمارے (جولائی تا ستمبر ۱۹۸۵ء) میں شائع ہوا اور اب میری کتاب 'مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ' میں شامل ہے۔ اس کی افادیت کے پیش نظر یہ الگ سے کتابچہ کی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ اب دوبارہ کسی قدر نظر ثانی کے بعد شائع ہو رہا ہے۔

کتابچہ کے شروع میں شاہ بانو کیس کی تفصیلات بھی شامل کر دی گئی ہیں۔ امید ہے اس سے اس کے پس منظر کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو قبول فرمائے۔

جلال الدین

یکم جنوری ۲۰۱۴ء

سپریم کورٹ کا فیصلہ

طلاق کے بعد عورت اپنے سابق شوہر سے نفقہ حاصل کر سکتی ہے

جس مقدمہ میں یہ فیصلہ ہوا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد احمد خاں کی شادی ۱۹۳۲ء میں شاہ بانو بیگم سے ہوئی۔ ازدواجی زندگی کے ۴۳ سال بعد ۱۹۷۵ء میں شوہر نے بیوی کو اپنے گھر سے نکال دیا۔ اپریل ۷۸ء میں شاہ بانو بیگم نے اپنے شوہر کے خلاف اندور (مدھیہ پردیش) کے جوڈیشیل مجسٹریٹ کی عدالت میں ضابطہ فوج داری کی دفعہ ۱۲۵ کے تحت عذر داری داخل کردی، جس میں پانچ سو روپے ماہانہ کے حساب سے نان ونفقہ دلانے کی درخواست کی گئی تھی۔ ۶ رنومبر ۱۹۷۸ء کو محمد احمد خاں نے شاہ بانو بیگم کو طلاق مغلظہ دے دی۔ مدعیہ کے نفقہ کی درخواست کے جواب میں محمد احمد خاں کی دلیل یہ تھی کہ طلاق مغلظہ کے بعد مدعیہ کی حیثیت بیوی کی نہیں رہی، اس لیے اس پر نان ونفقہ ادا کرنے کی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔ اگست ۱۹۷۹ء میں جوڈیشیل مجسٹریٹ نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے محمد احمد خاں کو نفقہ کے طور پر ایک سو پچیس (۱۲۵) روپے ماہانہ شاہ بانو کو دینے کی ہدایت کی۔ محمد احمد کی طرف سے مجسٹریٹ کے فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست مدھیہ پردیش ہائی کورٹ میں داخل کی گئی۔ ہائی کورٹ نے جوڈیشیل مجسٹریٹ کے فیصلہ کو نہ صرف برقرار رکھا، بلکہ بطور نفقہ ادا کی جانے والی رقم ۱۲۵ روپے سے بڑھا کر ۱۷۹ روپے ۲۰ پیسے مقرر کردی۔ ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف محمد احمد خاں نے سپریم کورٹ میں خصوصی اپیل دائر کی۔ پانچ نفری آئینی بنچ نے اس خصوصی اپیل پر

طویل سماعت کے بعد مدھیہ پردیش ہائی کورٹ کے فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے اپیل خارج کردی اور اس فیصلہ کو برقرار رکھا کہ مطلقہ مسلم بیوی کو عدت گزرنے کے بعد بھی نان ونفقہ کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔ یہ فیصلہ اپریل ۱۹۸۵ء میں منظر عام پر آیا۔

(ہفت روزہ 'دعوت' مسلم پرسنل لا نمبر، مورخہ ۱۶؍جون ۱۹۸۵ء کے مضمون 'مقدمہ کا تعارف' سے ماخوذ)

محترمہ شاہ بانو قابل صد ستائش ہیں کہ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ عدالت عالیہ کا فیصلہ گو ان کے حق میں ہوا ہے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف ہے تو انھوں نے عدالت سے اس فیصلہ کو واپس لینے کا مطالبہ کرکے ایک قابل تقلید مثال قائم کردی ہے۔

(قومی آواز، نئی دہلی، ۱۶؍نومبر ۱۹۸۵ء)

مطلقہ کا نفقہ

ایک علمی جائزہ

اسلام کے قانونِ طلاق پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مرد طلاق کے دو لفظ بول کر عورت کو بیک بینی و دو گوش گھر سے نکال باہر کر دیتا ہے اور وہ سوسائٹی میں بے یار و مددگار در بدر ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ یہ اعتراض بہت پرانا اور بڑا بے جان ہے، لیکن اسے بار بار اس طرح دہرایا جاتا ہے جیسے اسلامی شریعت کے لیے یہ ایک زبردست چیلنج ہے اور اس کا اس کے پاس کوئی معقول جواب نہیں ہے۔ اس اعتراض کا کھوکھلا پن ہر پہلو سے واضح کیا جاتا رہا ہے، لیکن جن لوگوں کا مقصد محض اعتراض ہو وہ اپنی کم زوری کبھی تسلیم نہیں کر سکتے اور انھیں کوئی جواب مطمئن نہیں کر سکتا۔ وہ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کے اعتراض کو معقول مان کر ان کے حسب منشا قانونِ شریعت کی 'خامیوں' کو دور کر دیا جائے اور اس کی مناسب 'اصلاح' کر دی جائے۔ ان کے نزدیک جو شخص عورت کو طلاق دے، اسے یہ سزا ضرور ملنی چاہیے کہ وہ اس کی زندگی بھر اس کا نان و نفقہ برابر دیتا رہے۔ ہاں اگر اس کی دوسری شادی ہوجائے، یا وہ خود کفیل ہوجائے تو مرد کو اس کی معاشی ذمہ داریوں سے سبک دوش کر دیا جائے۔ سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ نے اسلام کے نظام طلاق پر ہونے والے اس اعتراض کو ایک طرح سے صحیح قرار دے دیا ہے اور اس تجویز کو قانونی سند عطا کر دی ہے

کہ طلاق کے بعد بھی عورت کا نفقہ اس کی زندگی بھریا تانکاحِ ثانی جاری رہنا چاہیے۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس مسئلہ کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیا جائے۔

بعض قباحتیں

۱- اگر کوئی شخص یہ مطالبہ شروع کردے کہ اس کا معاشی بوجھ ایک بالکل اجنبی شخص پر ڈال دیا جائے تو دنیا اسے مذاق یا عقل کا فتور سمجھے گی، اس لیے کہ کسی فرد پر دوسرے فرد کی کوئی ذمہ داری ڈالنے کے لیے کوئی معقول بنیاد ہونی چاہیے۔ دو اجنبی اشخاص کے درمیان اس طرح کی بنیاد نہیں ہوتی۔ اسلام کے نزدیک جن بنیادوں پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان میں سے ایک بنیاد نکاح ہے۔ نکاح کے بعد عورت ازدواجی زندگی کے وسیع تقاضوں کی تکمیل اور خاندان کی تعمیر کے لیے مرد کو اپنا وقت دیتی اور اپنی صلاحیت صرف کرتی ہے، مرد اس کے عوض اس کے نان ونفقہ کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ جب تک دونوں عقد نکاح میں بندھے ہوئے ہیں، یہ ذمہ داری باقی رہتی ہے۔ طلاق سے میاں بیوی کا یہ تعلق ٹوٹ جاتا ہے، اس کے ساتھ ہی مرد اس کی معاشی ذمہ داری سے سبک دوش ہو جاتا ہے اور دونوں کے درمیان ایک طرح کی دوری اور اجنبیت حائل ہو جاتی ہے۔ اگر طلاق مغلظہ ہے تو یہ اجنبیت اتنی سخت ہوتی ہے کہ عورت جتنی آسانی سے دوسرے مرد سے اور مرد دوسری عورت سے شادی کرسکتا ہے، اتنی آسانی سے یہ دونوں دوبارہ اپنے ازدواجی تعلقات بحال نہیں کر سکتے۔ وہ ان تعلقات کو بحال کرنا چاہیں تو ضروری ہے کہ عورت کی کسی دوسرے شخص سے شادی ہو اور وہ طلاق دے دے یا اس کا انتقال ہوجائے۔ اس کے بغیر وہ چاہیں بھی تو اپنی سابقہ زندگی کی طرف لوٹ نہیں سکتے۔ طلاق کے ذریعہ جہاں اتنی زبردست دوری پیدا ہوجائے اور اجنبیوں سے بھی زیادہ اجنبیت حائل ہو جائے وہاں ان میں سے کس پر کس کے حقوق عائد کیے جائیں اور کون کس کی ذمہ داری اٹھائے؟

۲- میاں بیوی کے درمیان طلاق کی نوبت بالعموم اس وقت آتی ہے جب کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتتے ہیں اور ایک دوسرے کے حقوق نہیں پہچانتے، اس کی وجہ سے خانگی زندگی میں تعاون اور اشتراک باقی نہیں رہتا اور عدم تعاون اور مخالفت شروع ہو جاتی ہے، لیکن طلاق کا ذکر اس طرح کیا جاتا ہے جیسے لازماً یہ مرد کی ایک زیادتی ہے اور عورت کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ حالاں کہ اس امکان کو بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ عورت نے ایسے حالات پیدا کر دیے ہوں کہ مرد کو مجبوراً طلاق دینی پڑی ہو۔ اس کے باوجود مرد پر مطلقہ کا تاحیات نفقہ لازم قرار دینا اس کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے، جس کا کوئی اخلاقی اور قانونی جواز نہیں ہے۔

۳- طلاق کے بعد جس طرح عورت مرد کے ساتھ تعاون کے لیے آمادہ نہیں ہوتی اسی طرح مرد بھی فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ وہ عورت کی ساری ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو جائے۔ اگر طلاق کے بعد عورت کی معاشی ذمہ داری اس پر برقرار ہے تو بعض اوقات طلاق نہ دینا اس کے لیے طلاق دینے سے زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔ طلاق دے کر بھی بیوی کی زندگی بھر اس کی معاشی ذمہ داری اٹھانے کی جگہ وہ اس بات کو ترجیح دے سکتا ہے کہ طلاق نہ دے کر اسے معلّقہ بنائے رکھے اور عملاً تمام حقوق سے محروم کر دے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مطلقہ اپنے حقوق عدالت سے حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن ایک تو عدالت سے کسی حق کا حاصل کرنا آسان نہیں ہے، دوسرے یہ کہ مرد اس سے بچنا چاہے تو ہزار تدبیریں کر سکتا ہے، تیسرے یہ کہ یہ کون سی دانش مندی ہے کہ مطلقہ کے نفقہ کو لازم کر کے طلاق کو اس قدر دشوار کر دیا جائے کہ آدمی طلاق کے بعد نفقہ کے ڈر سے طلاق ہی نہ دے اور بیوی کو لٹکائے رکھے؟ ایک غلطی کو باقی رکھنے کے لیے دوسری غلطی کا ارتکاب کرنا کوئی معقول بات تو نہیں ہے۔

۴- طلاق کے بعد عورت اور مرد دونوں کو یہ آزادی حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی دوسرے فرد کو اپنا رفیقِ حیات بنا لیں اور طلاق کی وجہ سے زندگی میں

جو خلا پیدا ہو گیا ہے اسے پُر کرلیں، لیکن طلاق دینے کے بعد بھی آدمی کو بیوی کا معاشی بوجھ اُٹھانا پڑے تو وہ دوسرے نکاح کی مشکل ہی سے ہمت کرسکتا ہے۔ سابقہ بیوی اور موجودہ بیوی دونوں کے اخراجات اٹھانے کے مقابلہ میں وہ شاید تجرد کی زندگی کو ترجیح دے گا۔ اس سے اس کی سیرت و اخلاق کے خراب ہونے اور جنسی بے راہ روی کا شکار ہونے کا خطرہ ہے۔

۵- اس میں عورت کے بگاڑ کا بھی اندیشہ ہے۔ اگر عورت کو یہ یقین ہو کہ طلاق کے بعد بھی اس کا نفقہ اسے مسلسل ملتا رہے گا تو اس کے اندر مرد کو بات بات پر تنگ کرنے اور ذرا ذرا سی شکایت پر طلاق حاصل کرنے کا رجحان اُبھر سکتا ہے۔ چناں چہ مغرب میں طلاق کا اوسط جن اسباب کی بنا پر بہت بڑھ گیا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ عورت کو یہ اطمینان ہوتا ہے کہ وہ طلاق کے بعد بھی (Maintenance) کے نام پر زندگی بھر شوہر سے اپنا خرچ وصول کرتی رہے گی۔ اسلام طلاق کے رُجحان کو غلط سمجھتا ہے۔ وہ ایسے کسی قاعدہ ضابطہ کی تائید ہرگز نہیں کرسکتا جس سے اس رُجحان کو تقویت ملے اور ازدواجی زندگی کی ہر ناگواری کو طلاق کے ذریعہ دور کیا جانے لگے۔

۶- ایک اور پہلو بھی ہے۔ وہ یہ کہ طلاق سے عورت اور مرد ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد بھی نفقہ جاری رہنے سے فطری طور پر یہ اجنبیت کم ہوتی چلی جاتی ہے، پرانے زخم مندمل ہونے لگتے ہیں، ملاقاتیں شروع ہو جاتی ہیں، دونوں طرف سے ہم دردی اور محبت کا اظہار ہونے لگتا ہے اور بے تکلفی بڑھنے لگتی ہے۔ ان کے درمیان جنسی تعلقات میں چوں کہ پہلے سے کسی قسم کا حجاب موجود نہیں ہوتا، اس لیے بسا اوقات یہ بے تکلفی اور میل جول غلط رُخ اختیار کرنے لگتی ہے۔ ایک ایسی صورتِ حال کا باقی رہنا، جس میں اخلاقی بگاڑ کا سخت اندیشہ ہو، کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ اس بات کا انتظام ہوسکتا ہے کہ دونوں میں براہِ راست تعلقات پیدا نہ ہوں۔ لیکن کم از کم جہاں دونوں ایک مقام پر رہتے ہوں

وہاں یہ بہت دشوار ہے۔ اس کے بڑے غلط نتائج دیکھنے میں آتے رہتے ہیں، بلکہ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بغیر کسی روک ٹوک کے دونوں ساتھ رہنے لگتے ہیں اور معاشرہ بھی اسے برداشت کر لیتا ہے۔ شریعت کے مزاج کا تقاضا یہ ہے کہ کسی شخص کے لیے ایسے حالات نہ پیدا کیے جائیں کہ وہ بے راہ روی میں آگے نکلتا چلا جائے اور اسے اس کا احساس بھی نہ ہو۔

یہ بعض وہ معاشرتی اور سماجی پیچیدگیاں ہیں جو مطلقہ کا نفقہ واجب قرار دینے سے پیدا ہوسکتی ہیں۔ ان پیچیدگیوں کو نظر انداز کرنا آسان نہیں ہے۔

مطلقہ کے حقوق

بعض لوگ چاہتے ہیں کہ طلاق کے بعد عورت کے تاحیات نفقہ کو کسی نہ کسی طرح قرآن سے ثابت کر دکھائیں۔ لیکن بڑی مشکل یہ ہے کہ قرآن مجید ان کی اس خواہش کو پوری کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہے۔ طلاق کی صورت میں عورت کے مہر، نفقہ اور عدت کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں ان کے احکام موجود ہیں، لیکن ان میں مطلقہ کے تاحیات نفقہ کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

مہر

نکاح کے لیے مہر شرطِ لازم ہے۔ اس کی چار شکلیں ہیں۔ مہر متعین ہے اور عورت سے خلوت صحیحہ ہوچکی ہے تو اسے پورا مہر ملے گا۔ مہر متعین نہیں ہے اور خلوت ہو چکی ہے تو عورت مہر مثل کی حق دار ہوگی۔ مہر متعین تو ہے لیکن خلوت صحیحہ نہیں ہوئی ہے تو نصف مہر ملے گا۔ اگر مہر بھی متعین نہیں ہے اور خلوت بھی نہیں ہوئی ہے تو اسے متاع دیا جائے گا۔[۱]

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: راقم کی کتاب 'مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ' میں بحث 'مہر کی نوعیت اور اس کے احکام'۔

عدت کی تعیین

جہاں تک زمانۂ عدت کا تعلق ہے، اس کی تعیین بھی قرآن مجید نے کردی ہے۔ اگر خلوت صحیحہ کے بعد طلاق ہوئی ہے تو عدت تین حیض ہے۔ (البقرۃ:۲۲۸)

جس عورت کو صغر سنی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آئے اس کی عدت تین ماہ ہے اور حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے۔ (الطلاق:۴)

اگر خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق ہو چکی ہے تو اس کی کوئی عدت نہیں ہے۔ (الاحزاب:۴۹)[1]

عدت تک نفقہ

اب نفقہ اور سکنیٰ (مکان) کے مسئلہ کو لیجیے۔

طلاق دو طرح کی ہوتی ہے، رجعی، جس میں شوہر کو رجوع کا حق ہوتا ہے۔ بائن، جس میں رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے مختصر احکام یہ ہیں:

۱- طلاق رجعی ہو تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ عورت کو نفقہ اور سکنیٰ (مکان) دونوں ملیں گے۔

۲- فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ عورت اگر حاملہ ہے تو اس کا نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے، چاہے طلاق رجعی ہو یا بائن۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق:۶)	اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر اس وقت تک خرچ کرو جب تک ان کا وضع حمل نہ ہو جائے۔

۳- اگر عورت حاملہ نہیں ہے اور طلاق بائنہ ہے تو امام احمد، داؤد ظاہری اور ابوثور وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ شوہر پر نہ تو اس کا نفقہ واجب ہے اور نہ سکنیٰ۔ ان حضرات کی دلیل حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میرے شوہر نے مجھے

---

[1] ملاحظہ ہو حوالۂ سابق بحث 'طلاق کا مسئلہ'

طلاق بائن دے دی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لَيسَ لَكِ عَلَيهِ نَفَقَةٌ**[1] (تمھارے شوہر پر تمہارا نفقہ واجب نہیں ہے) ایک اور روایت کے الفاظ ہیں **لاَ نَفَقَةَ لَكِ وَلاَ سُكنىٰ**[2] (تمھیں نہ نفقہ ملے گا اور نہ سکنیٰ)

امام مالک اور امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید نے اس کے سکنیٰ کا ذکر کیا ہے (الطلاق:۶) لہٰذا اسے سکنیٰ تو ملے گا، نفقہ نہیں ملے گا۔

ابن رُشد مسلک کے لحاظ سے مالکی ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اسے ایک کم زور رائے قرار دیتے ہیں[3] اس معاملہ میں احناف کا مسلک زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔

۴- احناف اور بعض دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ طلاق چاہے رجعی ہو یا بائن، عورت کو نفقہ اور سکنیٰ دونوں ملیں گے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن نے مطلقہ کے لیے سکنیٰ کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ نفقہ اسی کے تابع ہے۔ قرآن نے اس بات کا پابند بنایا ہے کہ آدمی طلاق کے بعد عدت تک عورت کو گھر میں رکھے، لہٰذا اس کا خرچ بھی فطری طور پر اسی کو اُٹھانا چاہیے۔ سکنیٰ کی بنیاد پر بیوی کا نفقہ بھی آدمی پر لازم آتا ہے۔ آیت کے الفاظ سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

اَسكِنُوهُنَّ مِنْ حَيثُ سَكَنتُم مِّنْ وُّجدِكُم وَلاَ تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيهِنَّ (الطلاق:۶)	ان عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

جصاص کہتے ہیں کہ آیت کے الفاظ عام ہیں۔ یہ مطلقہ رجعیہ اور مطلقہ بائنہ دونوں سے متعلق ہیں۔ مِنْ وُّجدِكُم (اپنی وسعت اور طاقت کے لحاظ سے[4]) کے الفاظ

---

[1] مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقہ البائن لانفقۃ لہا

[2] حوالہ سابق

[3] بدایۃ المجتہد: ۱۰۳/۲

[4] زمخشری کہتے ہیں۔ الوجد: الوسع والطاقۃ۔ الکشاف: ۵۴۵/۴

بتاتے ہیں کہ شوہر کے مال میں مطلقہ کا سکنیٰ واجب ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ مال میں نفقہ بھی واجب ہو، اس لیے کہ سکنیٰ نفقہ کا ایک حصہ ہے۔ دوسرے یہ ہدایت کہ ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ۔ تنگ کرنا اور تکلیف پہنچانا یہ دونوں باتیں جس طرح سکنیٰ سے متعلق ہیں نفقہ سے بھی متعلق ہیں[1]

فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اسے حضرت عمرؓ نے قبول نہیں کیا اور فرمایا:

لاَنترک کتاب الله و سنة نبیناعلیہ صلی اللہ وسلم لقول امرأة، لاَ ندری لعلها حفظت او نسیت، لها السکنی و النفقة.[2]

ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو ایک عورت کے بیان کی وجہ سے چھوڑ نہیں سکتے۔ معلوم نہیں اس نے اسے (ٹھیک سے) یاد بھی رکھا یا بھول گئی۔ مطلقہ کے لیے سکنیٰ (مکان) بھی ہے اور نفقہ بھی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک کتاب وسنت سے مطلقہ کا نفقہ اور سکنیٰ دونوں ثابت ہے۔[3]

اس لیے یہ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ مطلقہ کا اس کی عدت تک نفقہ اور سکنی شوہر پر واجب ہے۔ عدت کے بعد نفقہ یا سکنیٰ کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔

مطلقہ کے لیے متاع

جولوگ قرآن مجید سے مطلقہ کے نفقہ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۱ سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ آیت یہ ہے:

۱۔ جصاص، احکام القرآن: ۳/ ۵۶۵
۲۔ مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقہ البائن لانفقۃ لہا
۳۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو۔ بدایۃ المجتہد: ۲/ ۱۰۲، ۱۰۳۔ جصاص، احکام القرآن: ۳/ ۵۶۴-۵۷۰۔ ابن قدامہ، المغنی: ۷/ ۶۰۶، ۶۱۰

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۝ — جن عورتوں کو طلاق دی گئی انھیں دستور کے مطابق متاع دینا ہے۔ یہ حق ہے متقیوں پر۔

اس آیت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ اس میں مطلّقات کے لیے مہر کے علاوہ 'متاع' دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ طلاق کے بعد جب تک عورت زندہ ہے، اسے یہ متاع ملنا چاہیے، تاکہ وہ اس سے گزر بسر کر سکے۔ قرآن مجید نے 'متاع' کا حکم تو دیا ہے، لیکن اس کی تعیین نہیں کی ہے۔ اسے رواج اور دستور پر چھوڑ دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے حسب حالات متعین کیا جاسکتا ہے۔ ان حضرات کے خیال میں اگر اسے تاحیات یا تا نکاح ثانی نفقہ کی شکل میں متعین کیا جائے تو یہ قرآن کے منشا کے مطابق ہوگا، اس کے خلاف نہیں ہوگا۔ اس کی ادائیگی یک مشت بھی ہوسکتی ہے اور قسطوں میں بھی، لیکن اسے لازم بہرحال ہونا چاہیے۔

'متاع' کے اس عجیب وغریب معنی کی تائید نہ تو لغت عرب سے ہوتی ہے، نہ قرآن مجید کے سیاق وسباق سے۔ صحابہ وتابعین اور فقہاء امت نے بھی اس کے یہ معنی نہیں لیے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت میں مطلقہ کے لیے جس 'متاع' یا 'متعہ' کا ذکر کیا گیا ہے اسے اچھی طرح سمجھنے کے لیے حسب ذیل سوالات پر غور کرنا ہوگا۔

۱- 'متاع' کیا ہے؟

۲- اس کی حیثیت اخلاقی ہے یا قانونی؟

۳- قانونی ہے تو کیا یہ ہر قسم کی مطلقہ کے لیے ہے یا بعض مطلّقات کے لیے؟

متاع کا لغوی مفہوم

'متاع' لغت میں تھوڑے سے ساز وسامان کو اور اس چیز کو جس سے وقتی طور پر فائدہ اٹھایا جائے، کہا جاتا ہے۔ ازہری کہتے ہیں:

المتاع فی اللغة کل ما انتفع به — متاع لغت میں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے

فھو متاع[۱] — جس سے فائدہ حاصل کیا جائے۔

امام راغب کہتے ہیں:

المتاع انتفاع ممتد لوقت[۲] — ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھانا 'متاع' ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

کل ما ینتفع به علی وجه ما فھو متاع و متعة[۳] — ہر وہ چیز جس سے کسی بھی نوعیت کا فائدہ اٹھایا جائے 'متاع' یا متعہ ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

أصل المتعة والمتاع ما ینتفع به انتفاعًا غیر باقٍ[۴] — 'متعہ' اور 'متاع' اصل میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے ایسا فائدہ اٹھایا جائے جو باقی رہنے والا نہیں ہے، بلکہ جلد ہی ختم ہونے والا ہے۔

قرآن میں لفظ متاع کا استعمال

قرآن مجید میں 'متاع' کا اطلاق مختلف چیزوں پر ہوا ہے۔ مثلاً گھر کے اندر استعمال ہونے والی اشیاء۔ چناں چہ اجنبی اشخاص کو ازواج مطہرات سے ایسی کوئی چیز لینے کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ ط (الاحزاب:۵۳) — جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو ان سے پردہ کے پیچھے سے مانگو۔

دھات سے بنی ہوئی چیزیں، جیسے برتن اور اوزار وغیرہ:

وَمِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْهِ فِی النَّارِ — جن دھاتوں کو یہ آگ میں تپاتے ہیں زیور

۱۔ لسان العرب، مادہ 'متع'

۲۔ المفردات فی غریب القرآن: مادہ متع

۳۔ حوالہ سابق

۴۔ تفسیر کبیر: ۲/ ۲۸۴

ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ (الرعد:١٧)
بنانے یا کسی بھی سامان کے لیے، اسی طرح جھاگ ہوتا ہے۔

سورۂ یوسف میں ایک جگہ (آیت ۹۷) یہ لفظ پیالے یا پیمانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی سورہ میں شکاری کے ساز و سامان کے معنی میں آیا ہے (آیت ۱۷) سورہ مائدہ (آیت ۹۶) میں سمندر کے شکار- مچھلی وغیرہ-کو 'متاع' کہا گیا ہے۔

اس طرح کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے ساتھ زندگی کے ان تمام اسباب کو بھی 'متاع' کہا گیا ہے جن سے انسان اس زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (البقرۃ:٣٦)
اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے اور فائدہ اٹھانا ہے ایک خاص وقت تک۔

پوری دنیا کو اس کے تمام ساز و سامان، زر و جواہر اور اسبابِ آسائش و راحت کے باوجود 'متاع' کہا گیا ہے:

وَ اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ۝ (الزخرف:٣٥)
یہ ساری چیزیں تو دنیا کی زندگی کی متاع ہیں اور آخرت تمھارے رب کے نزدیک متقیوں کے لیے ہے۔

یہاں آخرت کے مقابلے میں حیاتِ دنیا کو 'متاع' کہا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آخرت کی ابدی زندگی اور وہاں کی نعمتوں کو سامنے رکھا جائے تو دنیا ایک 'متاع' اور وہ بھی 'متاع قلیل' ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ (الرعد:٢٦)
دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں محض حقیر متاع ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ۝ (التوبہ:٣٨)
دنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلہ میں بہت تھوڑی سی ہے۔

متاعِ طلاق

اب یہ دیکھئے کہ 'متاع طلاق' کے کیا معنیٰ ہیں؟ قرآن مجید نے 'متاع طلاق' کا حکم بغیر کسی قید کے مطلق دیا ہے۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ 'متاع' سے اس کی کیا مراد ہے؟ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر 'متاع' کوضروری بھی قرار دیا جائے تو 'طلاق' کے وقت کوئی بھی چھوٹی بڑی چیز عورت کو دے دینے سے اس کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔

اُن ماہرین لغت نے، جنھوں نے خاص طور پر قرآن اور حدیث کے الفاظ کی تحقیق کی ہے، 'متاع طلاق' کے معنی یہ نہیں لیے ہیں کہ مطلقہ کو تا حیات نفقہ دیا جائے یا کسی خاص مدت تک اس کے اخراجات برداشت کیے جائیں۔ ان کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ عورت کی دل جوئی کے لیے کچھ دے دلا دیا جائے۔

امام راغب الفاظِ قرآن کے بلند پایہ محقق ہیں، 'متاعِ طلاق' کے بارے میں فرماتے ہیں:

... فالمتاع والمتعة ما یعطی المطلقة لتنتفع به مدة عدتها[1]	شوہر اپنی مطلقہ کو عدت کے زمانہ میں فائدہ اٹھانے کے لیے جو دیتا ہے وہ متاع یا متعہ ہے۔

گویا وہ عدت کے زمانے کے نفقہ ہی کو 'متاع' سمجھتے ہیں، اس کے علاوہ کسی 'متاع' کا قانونی طور پر اسے مستحق قرار نہیں دیتے۔ (اس مسئلہ میں فقہاء کی رائیں آگے آرہی ہیں)۔

الفاظِ حدیث کے بہت بڑے ماہر علامہ ابن اثیر نے 'متاع طلاق' کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:

ویستحب للمطلق ان یعطی امرأته عند طلاقها شیئا یهبها ایاه[2]	طلاق دینے والے کے لیے یہ پسندیدہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیتے وقت کوئی چیز اسے ہبہ کردے۔

[1] المفردات فی غریب القرآن، مادہ 'متع'   [2] النہایۃ فی غریب الحدیث: ۴/۲۷۶، مادہ متع

علامہ سیوطی نے لغات حدیث پر ابن اثیر کی کتاب کی تلخیص کی ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں:

متعة الطلاق اعطائها شيئا يجبر به كسرها[1] متعہ طلاق یہ ہے کہ عورت کو کوئی چیز دے دی جائے، تاکہ اس کی دل شکنی کی تلافی ہو۔

قرآن مجید نے مطلقہ کے 'متاع' کا ذکر جس سیاق میں کیا ہے اس سے بھی اس کی مراد واضح ہو جاتی ہے۔ اس نے کہا کہ خلوت سے پہلے جس عورت کو طلاق دی جائے اگر اس کا مہر متعین ہے تو وہ نصف مہر کی مستحق ہوگی اور مہر متعین نہیں ہے تو اسے 'متاع' دیا جائے گا (البقرۃ:۲۳۶، ۲۳۷) اگر مہر کا تصور زندگی بھر کے نفقہ کا نہیں ہے تو 'متاع' کے اندر یہ مفہوم کہاں سے آجائے گا کہ مطلقہ کو تاحیات نفقہ فراہم کیا جائے؟

متاع سے نفقہ مراد نہیں لیا جاسکتا

یوں بھی اس لفظ سے تا حیات نفقہ مراد نہیں لیا جاسکتا۔ اس کی دو وجہیں ہیں:

۱- قرآن مجید نے صراحت کر دی ہے کہ طلاق کے بعد عدت تک عورت کا نفقہ اور سکنیٰ (مکان) مرد پر واجب ہے۔ اس کے بعد اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود مرد پر نفقہ کو مطلقہ کے نکاح ثانی یا موت تک واجب قرار دینا قرآن کے حکم پر ایک اضافہ ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ جس ذمہ داری سے اللہ تعالیٰ نے بہت سی مصلحتوں کے پیش نظر مرد کو سبک دوش کیا ہے وہی ذمہ داری اس پر دوبارہ عائد کرنا ان مصلحتوں کو پامال کرنا ہے۔

۲- نکاح کے بعد عورت کے نان ونفقہ کی ذمہ داری مرد پر اس لیے عائد ہوتی ہے کہ وہ خاندان کی تعمیر کے لیے اسے اپنے سارا وقت دیتی ہے۔ طلاق کے بعد جب عورت آزاد ہوگئی اور اس کے اوقات پر مرد کا کوئی قبضہ نہیں رہا تو پھر نفقہ کس بنیاد پر واجب ہوگا؟

---

[1] الدر النثیر علی ہامش النہایۃ، مادہ 'متع'

صحابہ وتابعین کی رائے

اب آیئے، اس معاملہ میں صحابہ و تابعین کی رائے اور ان کا طرزِ عمل دیکھا جائے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مطلقہ کے متاع کا سب سے اعلیٰ معیار یہ ہے کہ اسے خادم دیا جائے، اس سے کم تر یہ ہے کہ ایک جوڑا لباس (جس میں تین کپڑے ہوں) دیے جائیں، آخری چیز یہ ہے کہ تھوڑی سی چاندی (رقم) دی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کی مقدار کم سے کم تیس درہم ہونی چاہیے۔

تابعین میں قاضی شریح نے متاع کو پانچ ہزار درہم بتایا ہے۔ امام شعبی نے اسے گھر کے اندر کا پورا لباس، لحاف اور جلباب (چادر) کہا ہے۔ حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ متعہ کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے۔ آدمی اپنی حیثیت کے مطابق یہ دے گا۔ عطاء بن ابی رباح نے بھی یہی بات کہی ہے۔

ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ بعض بزرگوں نے مطلقہ کا خوش دلی سے بہت زیادہ تعاون کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عوفؓ نے اپنی بیوی تماضر کو طلاق دی تو اسے متاع میں ایک سیاہ فام لونڈی دی۔

حضرت حسنؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دی تو اسے متاع کے طور پر دس ہزار درہم دیے۔[1]

اس طرح کی اور مثالیں بھی مل سکتی ہیں۔ ان کی حیثیت حسن سلوک اور ایک طرح کے احسان کی ہے۔ اسے قانون نہیں بنایا جاسکتا۔

---

[1] ان اقوال کے لیے ملاحظہ ہو ابن جریر، تفسیر: ۲/ ۳۰۴-۳۰۵۔ ابن کثیر، تفسیر: ۱/ ۲۸۸۔ ابن حزم، المحلی: ۲۴۸/۱۰

فقہاء کا نقطۂ نظر

فقہائے کرام نے اپنے حالات کے لحاظ سے اس کی تعیین کی کوشش کی ہے۔

فقہ حنفی میں ہے کہ مطلقہ کا متاع یہ ہے کہ اسے ایک جوڑا لباس دیا جائے۔ اس میں کتنے کپڑے ہوں، اس کا تعلق معاشرہ کے دستور اور رواج سے ہے۔ کپڑے کے معیار کے سلسلے میں ایک رائے یہ ہے کہ وہ شوہر کی حیثیت کے مطابق ہوگا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اس میں شوہر اور بیوی دونوں کی حیثیت دیکھی جائے گی۔ اس کے ساتھ فقہاء احناف کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ یہ متاع مہرِ مثل کے نصف سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ اسی کی جگہ رکھا گیا ہے اور پانچ درہم سے کم بھی نہیں ہونا چاہیے۔[۱] (اس لیے کہ فقہ حنفی کی رو سے مہر کی مقدار کم از کم دس درہم ہونی چاہیے۔ اگر اسے مہر مثل کا نصف مان لیا جائے تو یہ ایک جوڑے سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے)۔

فقہ مالکی میں کہا گیا ہے کہ بیوی کو طلاق دینے کے بعد آدمی اپنی حیثیت کے مطابق مہر کے علاوہ جو بھی دے وہ متعہ ہے۔[۲]

امام شافعی نے متعہ کی تعیین اس طرح کی ہے: صاحب حیثیت کے لیے ایک خادم، اوسط درجہ کے آدمی کے لیے ایک جوڑا کپڑے۔ اس کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ تیس درہم یا اس کی قیمت کی کوئی چیز دی جائے۔ اس کے ساتھ میاں بیوی کو اس کا حق ہے کہ وہ اس سے کم یا زیادہ پر اتفاق کرلیں۔[۳]

تقریباً یہی بات فقہ حنبلی میں کہی گئی ہے کہ متعہ مرد کی حیثیت کے مطابق ہوگا۔ اس کا اعلیٰ معیار یہ ہے کہ خادم دیا جائے اور کم سے کم معیار یہ ہے کہ ایک جوڑا دیا جائے جس میں اتنے کپڑے ہوں کہ وہ نماز کے لیے کافی ہوسکیں۔ شوہر اس سے زیادہ

۱۔ رد المختار علی الدر المختار: ۲/ ۶۶۲

۲۔ الشرح الصغیر: ۲/ ۶۱۶

۳۔ بغوی، معالم التنزیل: ۱/ ۲۰۴۔ خطیب شربینی، السراج المنیر: ۱/ ۱۵۳

بھی دے سکتا ہے اور عورت اس سے کم بھی لے سکتی ہے۔[۱]

فقہاء کرام نے اپنے دور کو سامنے رکھ کر متاع کی تعیین کی کوشش کی ہے۔ اس میں کمی بیشی ہر دور کے حالات کے لحاظ سے ہوسکتی ہے۔ قرآن و حدیث میں جس طرح مہر اور نفقہ کی کوئی حد بندی نہیں ہوئی ہے، اسی طرح متعہ کی بھی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔ اسے ہر دور کے حالات پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس معاملہ میں صحابہ و تابعین کے درمیان جو اختلاف رہا ہے اس کے بارے میں علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں:

هٰذه المقادير كلها صدرت عن اجتهاد آرائهم ولم ينكر بعضهم على بعض ما صار اليه من مخالفته فيه فدل على انها عندهم موضوعة على ما يؤديه اليه اجتهاده[۲]

متعہ کی جو مقداریں بیان ہوئی ہیں وہ سب کی سب سلف کی اجتہادی رائیں ہیں، ان میں سے کسی نے اپنی رائے سے مخالف دوسرے کی رائے پر نکیر نہیں کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ساری رائیں ان کے نزدیک ان میں سے ہر ایک کے اجتہاد کا نتیجہ ہیں۔

بعض فقہاء کے نزدیک متعہ کی تعیین میں عورت کی سماجی و معاشی حیثیت کا اعتبار نہیں ہوگا، صرف مرد کی حیثیت دیکھی جائے گی۔ اس لیے کہ قرآن نے کہا ہے کہ ''صاحبِ حیثیت اپنی حیثیت کے لحاظ سے اور تنگ دست اپنی حیثیت کے لحاظ سے متاع دے۔ (البقرۃ: ۲۳۶) لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس میں عورت اور مرد دونوں کی حیثیت پیش نظر رکھی جائے گی۔ جصاص ؒ کہتے ہیں کہ متعہ کی تعیین میں معروف کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ بات معروف کے خلاف ہے کہ اس میں عورت کی حیثیت کی رعایت نہ کی جائے اور ایک خوش حال گھرانے کی عورت کو وہی متعہ دیا جائے جو ایک غریب خاندان کی عورت کو دیا جاتا ہے۔''[۳]

---

۱ ابن قدامہ: المغنی ۶/۶-۷

۲ احکام القرآن: ۱/ ۵۱۵

۳ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احکام القرآن: ۱/ ۵۱۳-۵۱۵

اس پوری بحث سے اتنی بات واضح ہے کہ 'متاع' دراصل اس ساز و سامان کو کہا جاتا ہے جو طلاق کے وقت حسب حیثیت عورت کی دل جوئی کے لیے دیا جاتا ہے۔ اسے بڑھا کر پوری زندگی کا نفقہ بنا دینا اس لفظ کے ساتھ ایسی کھلی زیادتی ہے کہ اس کی کسی سنجیدہ آدمی سے توقع نہیں کی جاسکتی۔

متاع کی حیثیت اخلاقی ہے یا قانونی؟

اب اس سوال کو لیجیے کہ متاع کی حیثیت اخلاقی ہے یا قانونی؟

اس مسئلہ میں امام مالک کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جس عورت کو طلاق دی جائے اسے متعہ دینا مندوب (پسندیدہ) ہے، فرض نہیں ہے۔ ان کی دلیل 'حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ' کے الفاظ ہیں، جو آیت کے آخر میں آئے ہیں۔ اس سے پہلے آیت نمبر ۲۳۶ میں متعہ کو 'حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ' (نکوکاروں پر حق ہے) کہا گیا ہے۔ جو چیز تقویٰ اور احسان کی علامت ہے اسے ہم سب پر فرض قرار نہیں دے سکتے۔[1]

تابعین میں قاضی شریح کی یہی رائے تھی۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو، جس سے خلوت ہو چکی تھی، طلاق دی۔ قاضی شریح کی عدالت میں اس عورت نے متعہ کا دعویٰ کیا تو انھوں نے اس کے شوہر سے کہا کہ محسنین کے زمرے میں شامل ہونے سے اور متقیوں کے زمرہ میں شامل ہونے سے انکار نہ کرو۔ اسے متعہ دینے پر مجبور نہیں کیا۔[2]

امام مالک کے نزدیک خلوت سے پہلے جس عورت کی طلاق ہو جائے اور اس کا مہر متعین ہو، اسے نصف مہر ملے گا اس کے لیے متعہ نہیں ہے۔

امام مالک کی ایک رائے یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ متعہ واجب ہے، لیکن

---

۲ احمد الدردیر، الشرح الصغیر: ۲/۲۱۷–۲۱۸

۳ بغوی، معالم التنزیل علی ہامش الخازن: ۱/۲۰۴

معروف رائے وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔[۱]

فقہاء کی اکثریت نے مطلقہ کے لیے متاع کو واجب قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن نے بصیغۂ امر اس کا حکم دیا ہے: مَتِّعُوْهُنَّ (البقرۃ:۲۳۶-الاحزاب:۴۹) انھیں متاع دو۔ جب تک کوئی مضبوط قرینہ نہ ہو، صیغۂ امر سے وجوب ہی سمجھا جائے گا۔ قرآن نے فرمایا: وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ (مطلّقات کے لیے متاع ہے)۔ اس سے بھی وجوب ہی ثابت ہوتا ہے۔ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ (مطلّقات کے لیے) کا لفظ بتاتا ہے کہ متاع ان کی ملکیت ہوگی اور وہ اس کا مطالبہ کر سکیں گی۔ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (متقیوں پر حق ہے) کے الفاظ بھی وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ متعہ متقیوں پر فرض ہے۔ اسی کی تاکید کے طور پر فرمایا: 'حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ' (محسنوں پر حق ہے)۔

کیا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ یہ صرف متقیوں یا محسنوں پر فرض ہے، دوسروں پر فرض نہیں ہے؟ اس کے جواب میں علامہ ابوبکر جصاص نے قرآن مجید کے نظائر سے ثابت کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو متقی اور محسن نہیں ہیں ان پر یہ فرض نہیں ہے، بلکہ اس انداز سے اس حکم میں زیادہ زور پیدا ہو جاتا ہے کہ آدمی اس پر عمل کر کے نیک لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جائے۔[۲]

کیا ہر مطلقہ کے لیے متاع واجب ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ متعہ واجب ہے تو کیا ہر مطلقہ کو متعہ دینا واجب ہے یا ان میں سے بعض کو متعہ دینا واجب ہے اور بعض کو دینا واجب نہیں ہے؟

اس میں فقہ حنفی کی رائے یہ ہے کہ متعہ اس مطلقہ کا واجب ہے جس کا مہر متعین نہ ہو اور جسے خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی جائے۔ اس لیے کہ اسی کو قرآن نے متعہ دینے کا حکم دیا ہے (البقرۃ:۲۳۶) دوسری مطلّقات کو مہر اور نفقہ ملتا ہے، اس لیے

---

۱ الشرح الصغیر: ۶۱۷/۲

۲ پوری بحث کے لیے ملاحظہ ہو: جصاص، احکام القرآن: ۵۰۸-۵۰۹

ان کو متعہ دینا واجب نہیں ہے، البتہ مندوب ہے۔[۱]

امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے۔[۲]

امام شافعی فرماتے ہیں کہ متاع سب ہی مطلّقات کو دینا واجب ہے، سوائے اس مطلقہ کے جس کا مہر متعین ہو اور جسے خلوت سے پہلے طلاق دے دی جائے۔ قرآن نے صراحت کر دی ہے کہ اسے نصف مہر ملے گا[۳] (البقرۃ:۲۳۷) صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہی رائے بیان کی جاتی ہے۔[۴]

حضرت سعید بن جبیرؒ، ابو العالیہؒ، حسن بصریؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ ہر مطلقہ کو متعہ دینا واجب ہے، اس لیے کہ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ (مطلّقات کو معروف کے مطابق متاع دینا ہے) ایک عام حکم ہے، اسے کسی خاص قسم کی مطلقہ کے ساتھ مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ خیال بھی غلط ہے کہ صرف ان مطلّقات کو متعہ ملے گا جن کا مہر متعین نہ ہو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کا مہر بھی متعین تھا اور ان سے خلوت بھی ہو چکی تھی، لیکن اس کے باوجود طلاق کی صورت میں انھیں متاع دینے کا حکم ہے۔ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ	اے نبی! تم اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم
كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا	دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتی
فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ	ہو تو آؤ میں تمھیں متاع دوں اور اچھی طرح
سَرَاحًا جَمِيْلًا ○ (الاحزاب:۲۸)	سے رخصت کر دوں۔[۵]

۱۔ رد المحتار علی الدر المختار: ۲/۴۶۱-۴۶۲

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھی جائے ابن قدامہ، المغنی: ۶/ ۷۱۵

۳۔ بدایۃ المجتہد: ۲/ ۱۰۵-۱۰۶

۴۔ بغوی، معالم التنزیل علی ہامش الخازن: ۱/ ۲۰۴

۵۔ ابن کثیر، تفسیر: ۱/ ۲۸۸

یہ رائے حضرت علیؓ، امام زہری، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح اور سفیان ثوری سے بھی نقل کی جاتی ہے۔[۱]

اہلِ ظاہر کی بھی یہی رائے ہے۔ ابن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ ہر طرح کی مطلقہ کے لیے متعہ واجب ہے، چاہے طلاق رجعی ہو یا بائنہ، خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، مہر متعین ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اس لیے کہ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ ایک عام حکم ہے، اسے خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔[۲]

یہ سب رائیں ایک سی ہیں، تفصیلات میں تھوڑا بہت اختلاف ہوسکتا ہے۔ جو لوگ مطلقہ کے لیے متعہ کو لازم قرار دینا چاہتے ہیں، ممکن ہے وہ اس رائے کو دوسری رایوں کے مقابلہ میں ترجیح دیں، لیکن اس میں دو ایک خرابیاں بہت واضح ہیں: ایک یہ کہ جس عورت کو خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دی جائے، اگر اس کا مہر متعین ہو تو اسے نصف مہر اور متعہ دونوں ملیں گے اور اگر مہر متعین نہ ہو تو اسے صرف متعہ ملے گا۔ یہ ایک طرح کی ناانصافی معلوم ہوتی ہے۔

دوسری یہ کہ متعہ کو ہر مطلقہ کے لیے واجب قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی مہر اور نفقہ کی طرح اس کا ایک لازمی حق ہے اور از روئے قانون وہ اس کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اہل ظاہر اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک، جیسا کہ اوپر کی تفصیلات سے واضح ہے، متعہ کی نوعیت یہی ہے۔ مشہور مفسر ابن جریر طبری اسی کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک ہر مطلقہ کے لیے مہر ہی کی طرح متعہ بھی واجب ہے۔ شوہر کے لیے اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ متعہ نہ دے تو مہر اور دوسرے قرضوں کی طرح اس کے لیے بھی اس کی قانونی گرفت ہوگی۔[۳]

یہ رائے اس لحاظ سے کم زور معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی عدالتوں نے کبھی اس

---

۱ ابن حزم، المحلی: ۱۰/ ۲۴۷ ۲ حوالۂ سابق ص: ۲۴۵

۳ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابن جریر طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن: ۲/ ۳۰۸-۳۰۹

طرح کا فیصلہ نہیں کیا۔ امام شعبی فرماتے ہیں:

و اللّٰہ ما رأیت احدا حبس فیھا (فی المتعــة) واللّٰہ لـو کانت واجبة لحبس فیھا القضاة[۱]

قسم خدا کی، میں نے نہیں دیکھا کہ کسی کو متعہ کے نہ دینے پر قید کیا گیا ہو۔ خدا کی قسم، اگر یہ واجب ہوتا تو اس کے نہ دینے پر قاضی حضرات قید کی سزا ضرور دیتے۔

اوپر کے صفحات میں ہم نے 'متاع' کے معنی و مفہوم اور اس کی قانونی حیثیت سے تفصیل سے بحث کی ہے اور اس مسئلہ میں مختلف فقہاء کی رائیں بھی پیش کر دی ہیں۔ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ نہ تو قرآن و حدیث سے یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ طلاق کے بعد آدمی پر عورت کی معاشی ذمہ داری برقرار رہتی ہے اور نہ سلف سے خلف تک کسی نے اس رائے کا اظہار کیا ہے۔ یہ ایک ایسا بے بنیاد فکر ہے جس کی تائید کہیں سے نہیں ہوتی۔

مطلقہ کا معاشی مسئلہ

آخر میں اس سوال کو لیجیے کہ طلاق کے بعد عورت کہاں جائے گی؟ اس کا معاشی بوجھ کون اُٹھائے گا؟ یہ سوال کچھ اس انداز سے کیا جاتا ہے کہ جیسے طلاق ہوتے ہی مسلمان عورت ایسی نازک صورت حال سے دو چار ہو جاتی ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی حل نکالنا ضروری ہوگیا ہے، پھر اسے حل کرنے کے لیے طرح طرح کی تجویزیں پیش کی جاتی ہیں اور قرآن مجید سے نئے نئے نکتے نکالے جاتے ہیں، حالاں کہ نکاح اور طلاق کا سلسلہ آج سے نہیں، چودہ سو برس سے قائم ہے۔ طلاق بہرحال پہلے بھی ہوتی رہی ہے، نوجوان عورتوں کی بھی اور بڑی عمر والی عورتوں کی بھی۔ ان کے ساتھ مسائل بھی رہے ہیں۔ معقول بات یہ ہے کہ کم از کم یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی کہ اسلام کے نزدیک ان مسائل کا کوئی حل ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ توقع رکھنی چاہیے کہ اس نے جہاں

---

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۱/۲۹۷۔ سورۃ البقرۃ: آیت ۲۲۶

زندگی کے اور مسائل میں ہماری راہ نمائی کی ہے، اس مسئلہ میں بھی ضرور راہ نمائی کی ہوگی۔ ان سب باتوں سے صرف نظر کر کے یہ خیال کرنا بلکہ یہ باور کرانے کی کوشش کرنا کہ اسلام نے اس کا کوئی علاج ہی نہیں تجویز کیا ہے اور مسلمان مفکرین نے اس طویل عرصہ میں اس پر سوچا ہی نہیں ہے، ناواقفیت اور بے خبری کی ایک نادر مثال ہے۔

اسلام کے نزدیک طلاق کے بعد عورت کا اپنے شوہر سے تعلق بالکل ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے اس نے اس کے معاشی مسئلہ کو بھی اس کے سابق شوہر سے متعلق نہیں رکھا ہے، بلکہ اسے دوسرے طریقوں سے حل کیا ہے۔

۱- یہ ایک بے بنیاد خیال ہے کہ جس عورت کو طلاق ہو جائے، اگر اسے اس کے سابق شوہر سے نان ونفقہ نہ دلوایا جائے تو اس کے گزر بسر کی کوئی صورت ہی نہیں رہ جائے گی، اور وہ بھوکوں مر جائے گی۔ اس خیال کے پیچھے عورت کی ہم دردی سے زیادہ شاید کچھ دوسرے محرکات کام کر رہے ہیں۔ ورنہ یہ ایک واقعہ ہے اور اسے اسلامیات کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ اسلامی قانون کے تحت عورت کے پاس مختلف ذرائع سے دولت آتی ہے، ان میں وراثت، مہر اور وصیت وغیرہ شامل ہیں، اس لیے اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ان ذرائع سے جو دولت حاصل ہو اس سے وہ اطمینان کے ساتھ گزر بسر کر سکے۔

۲- یہاں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے عورت معاشی جدوجہد کے لیے گو مجبور نہیں ہے، لیکن اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے کہ عورت کا اپنا کوئی جائز ذریعہ معاش ہو۔ وہ ملازمت کر سکتی ہے، زراعت اور تجارت کر سکتی ہے، صنعت اور حرفت میں حصہ لے سکتی ہے۔ غرض یہ کہ اسلامی حدود میں معاشی جدوجہد کا اسے پورا حق حاصل ہے، اس جدوجہد میں وہ کامیاب ہو تو اپنا بوجھ آسانی سے اُٹھا سکتی ہے، بلکہ دوسروں کا تعاون بھی کر سکتی ہے۔

۳- اسلام، انسان کے لیے ازدواجی زندگی کو بہت ضروری سمجھتا ہے۔ اس

نے پورے معاشرے کو ہدایت کی ہے کہ ازواجی زندگی گزارنے میں افراد کی مدد کرے۔ حکم ہے:

وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَالصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَ اِمَآئِکُمۡ ؕ (النور: ۳۲)

تم میں سے جو بے شادی شدہ ہوں اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نیک ہوں، ان کے نکاح کر دو۔

آیت میں 'ایامیٰ' کا لفظ آیا ہے، جو 'ایّم' کی جمع ہے۔ یہ غیر شادی شدہ مرد اور عورت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس میں وہ عورتیں بھی آتی ہیں جن کی ابھی ازدواجی زندگی ہی نہیں شروع ہوئی ہے اور وہ عورتیں بھی اس میں شامل ہیں جن کی ازدواجی زندگی طلاق یا بیوگی کی وجہ سے ختم ہوگئی ہے۔ اس میں شک نہیں، مختلف اسباب کی بنا پر موجودہ دور میں بیوہ اور مطلقہ کے دوبارہ نکاح کا رجحان مسلمانوں میں کم ہوتا چلا گیا ہے، لیکن اسلام اس رجحان کو بڑھاتا ہے اور اسے فی الواقع بڑھنا ہی چاہیے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کسی شوہر اور بیوی کے مزاج میں ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے وہ الگ ہوگئے ہیں، یا ان میں سے ایک کی موت نے دوسرے کی ازدواجی زندگی کو ختم کر دیا ہے تو اس کا فوراً نکاح ہو جانا چاہیے، اس لیے کہ بغیر نکاح کے رہنا بہت سی اخلاقی خرابیاں پیدا کرتا ہے۔ اگر اس تعلیم پر عمل ہو تو مطلقہ یا بیوہ کا معاشی مسئلہ خود بہ خود حل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اس کے بعد اس کی معاشی ذمہ داری قانونی طور پر شوہر اٹھانے لگتا ہے۔ چناں چہ اسلامی تاریخ میں جب تک اس پر عمل ہوتا رہا، بیوہ اور مطلقہ کا کوئی مسئلہ ہی عملاً موجود نہ تھا۔ یہ اس مسئلہ کا بہترین حل ہے، جسے عام ہونا چاہیے۔

۴- مطلقہ (اسی طرح بیوہ) کے پاس کوئی معقول ذریعہ معاش نہ ہو اور اس کا نکاح ثانی بھی نہ ہو تو اسلام نے اس کے خاندان پر اس کی کفالت کی ذمہ داری ڈالی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ اُصولی بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ اسلامی قانون کی رو سے

عورت کبھی اس بات پر مجبور نہیں ہوتی کہ وہ اپنی معاش کے لیے دوڑ دھوپ کرے[۱] فقہ میں کہا گیا ہے **مجرد الا نوثة عجز**[۲] (محض عورت ہونا ایک عجز ہے) یعنی اس کے اندر اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ اپنا معاشی بوجھ اُٹھا سکے۔ اسی وجہ سے دوسروں کو اس کی یہ ذمہ داری اٹھانی پڑتی ہے۔ شوہر ہر حال میں اس کا نفقہ برداشت کرتا ہے۔ طلاق کے بعد، اگر وہ خود کفیل نہیں ہے اور اس کی اولاد کسب اور محنت کے قابل ہے تو اولاد پر اس کا نان و نفقہ واجب ہو جاتا ہے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک بات کی وضاحت کردی جائے۔ وہ یہ کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ والدین کے نفقہ میں وہ تمام سہولتیں شامل ہیں جو بیوی کے نفقہ میں آتی ہیں:

ان جميع ما وجب للمرأة وجب للأب والأم على الولد من طعام و شراب و كسوة و سكنٰى حتى الخادم[۳]	بیوی کے نفقہ میں جو چیزیں واجب ہیں وہ ساری چیزیں ماں باپ کے نفقہ میں لڑکے پر واجب ہوں گی، یعنی کھانا، پینا، لباس، مکان، یہاں تک کہ خادم بھی اس میں آتا ہے۔

طلاق کے بعد اگر اس کی دوسری شادی نہ ہو اور اس کے بچے بھی اس کا بوجھ نہ اُٹھا سکتے ہوں تو اس کے باپ پر اس کا نفقہ بالکل اسی طرح لازم آجائے گا جس طرح شادی سے پہلے اس پر لازم تھا۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کے شارح علامہ ابن الہمام لکھتے ہیں:

فالاُناث عليه نفقتهن الى ان يتزوجن اذا لم يكن لهن مال و ليس له ان يواجرهن فى عمل	باپ پر لڑکیوں کا نفقہ اگر ان کے پاس مال نہیں ہے تو ان کی شادی تک واجب ہے۔ وہ انھیں کسی کام یا خدمت پر نہیں لگا سکتا،

۱۔ اس کی تھوڑی سی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'عورت اور اسلام'، ص۲۹، ۳۰

۲۔ ردالمحتار علی الدر المختار: ۲/ ۹۲۵

۳۔ حوالہ سابق: ۲/ ۹۳۳

ولا خدمة و ان كان لهن قدرة و — چاہے وہ یہ کر ہی کیوں نہ سکتی ہوں۔[1] اگر اس
اذا طلقت و انقضت عدتها — کی طلاق ہو جائے تو عدت پوری ہونے کے بعد
عادت نفقتها على الأب[2] — اس کا نفقہ دوبارہ اس پر واجب ہو جائے گا۔

باپ نہ ہو تو جو بھی اس کا قریبی محرم ہوگا، جیسے چچا، بھائی وغیرہ، وہ اس کی معاش کا ذمہ دار ہوگا۔ ان میں سے بھی کوئی موجود نہ ہو یا اس کا معاشی بوجھ نہ اُٹھا سکے تو اسلامی ریاست اس کی کفالت کی ذمہ داری قبول کرتی ہے۔ جہاں اسلامی ریاست نہ ہو وہاں مسلم معاشرہ کو یہ بوجھ اُٹھانا چاہیے۔ ہندوستان کا مسلم معاشرہ اس طرح کی عورتوں کا مسئلہ حل کرنا چاہے تو بغیر کسی بڑی دشواری کے حل کر سکتا ہے۔[3]

جو لوگ اس مسئلہ میں اعتراض پر اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے قانونِ نفقات سے بالکل ناواقف ہیں۔ یہاں صرف اس کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے۔ اس کی تفصیلات جاننے کی انھیں کوشش کرنی چاہیے۔

---

۱ عورت کیا کام کرسکتی ہے اور کن حدود میں؟ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: 'عورت اسلامی معاشرہ میں' اور 'عورت اور اسلام'۔

۲ فتح القدیر: ۳/۳۴۴

۳ یہ بات اسلامی نقطۂ نظر سے کہی گئی ہے۔ ہمارا ملک ہندوستان ایک فلاحی ریاست ہے۔ یہ خود اس کی بھی ایک بنیادی ذمہ داری ہے کہ جو افراد معاشی لحاظ سے بے سہارا ہوں ان کو سہارا دے اور ان کا معاشی بوجھ اُٹھائے۔